امام بخش صہبائی اور انکی فارسی شاعری

محمد ذاکر حسین ندوی

ہندوستان کی چند ممتاز ترین اور مایہ ناز فارسی شناسوں میں امام بخش صہبائی کا شمار ہوتا ہے۔ یہ برصغیر ہندوپاک کی عظیم ہستیاں ہیں، جن کا اعتراف خود اہل زبان نے بھی کیا ہے۔ ہماری مراد امیر خسروؒ، عبدالقادر بیدلؔ، امام بخش صہبائیؔ مرزا اسداللہ خاں غالبؔ اور علامہ اقبالؔ جیسے نابغۂ روزگار اور یگانۂ دہر سے ہے۔ جنھوں نے اپنی فطری قابلیت اور خداداد صلاحیت سے فارسی ادبیات کو ایک نئی سمت سے روشناس کرایا اور اس کے اندر ایک نئی روح پھونکی۔ پروفیسر نورالحسن نقوی نے لکھا ہے کہ:

"ہندوستان کی فارسی شاعری کی عمارت چار عظیم ستونوں پر قائم ہے۔ یہ ہیں خسروؒ، بیدلؔ، غالبؔ اور اقبالؔ"۔

اس میں ایک ستون (صہبائیؔ) کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ اضافہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ فارسی ادبیات پر فاضلانہ قدرت اور ماہرانہ قابلیت کا ثبوت جہاں صہبائیؔ کی نثر نگاری، انشاء پردازی، مکتوب نگاری، شرح نویسی اور تنقید نگاری ہے وہیں ان کی شعر گوئی ہے اور انھوں نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ جس طرح نثر نگاری، انشاء پردازی، شرح نویسی اور تنقید نگاری کے بے تاج بادشاہ ہیں، اسی شاعری بھی ان کے آنگن کی خادمہ ہے۔ چنانچہ وہ کہتے

میں بالکل حق بجانب ہیں ؎

بہ بیں در شعر من وز چشم انصاف تماشا کن ٭ کہ یک یک بیت من باشد برا بر جلد دیوان را
من ارچہ از ہندم اما گر بہ بینی طرز شعرم را ٭ بزرگ از خاک ہندوستان بگیری خاک ایران را[۲]

اسی طرح ایک دوسرے شعر میں شاعرانہ تعلی سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو قرینۂ افتخار خاقانی کی وجہ سے "شروان" کو ہاتھ آیا تھا، وہی گوہر اب "دہلی" کو میرے دم سے حاصل ہوا ہے ؎

زر دی نسبتم دہلی بہ بخت خویش می نازد
بدان نازمی کہ از پیوند خاقانی ست شروان را[۳]

پھر آگے چل کر سلمان ساوجی اور حسن دہلوی کے مقابلہ میں اپنی برتری کا دعویٰ کیا ہے ؎

بود گو فارسی اما تو ہم بنگر کہ در معنی ٭ نباشو نسبتی با اہل ہیتم شعر سلمان را
حسن از دہلی و من ہم ز دہلی لیکن ایں بنگر ٭ کہ قطرہ ہم نم و ہم در بود یک ابر نیسان را[۴]

لیکن سچی بات یہ ہے کہ صہبائی کی شاعری میں کوئی چونکا دینے والی بات نظر نہیں آتی ہے اور نہ وہ خصوصیت پائی جاتی ہے جس سے شاعری آفاقیت اور ہمہ گیریت سے ہمکنار ہوتی ہے اور یہ اصلیت بھی اپنی جگہ برقرار ہے کہ انہوں نے جدت سے زیادہ روایت اور اجتہاد سے زیادہ تقلید کو اختیار کیا ہے اور نئی راہ نکالنے کے بجائے مروجہ روش شاعری ہی کو اپنا مخصوص رنگ بنایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی نظروں کے سامنے رہے کہ جس دور میں صہبائی نے اپنی علمی و ادبی آنکھیں اس دور میں غالب، صہبائی اور مومن کے علاوہ کوئی چوتھا شخص ان جیسی استادانہ اور عالمانہ مہارت اور صلاحیت کا مالک نہ تھا۔ باعتبار مجموعی نہ سہی لیکن بعض معاملوں میں انہوں نے انفرادیت دکھائی ہے اور یہی اہم بات ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ شاعری صہبائی کے لئے نہ تو لازمہ حیات تھی اور نہ فخر و مباہات کا ذریعہ بلکہ وہ تفنن طبع اور مشاعروں میں شرکت کی خاطر طرحی اشعار کہہ لیا کرتے تھے۔

امام بخش صہبائی ایام طفولت ہی سے فکر سخن کرنے لگے تھے اور جب حضرت علوی کے زیر تربیت آئے تو ان کی اس صلاحیت میں اور جلا اور نکھار پیدا ہوئی۔ اکثر حضرات نے انکی شاعری کی تعریف کیا ہے۔ اس ضمن میں مفتی انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں :-

"حضرت علوی کی شعر و شاعری کا اثر صہبائی پر پڑے بغیر نہ رہا۔ یہ کم عمری سے فارسی میں فکر سخن کرنے لگے تھے۔ فارسی سے دلی لگاؤ تھا۔ اس میں ہی شعر گوئی کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ باکمال استاد نے وہ گر سکھائے کہ نوعمری میں مرزا قتیل فرید آبادی کے ہم پایا استاد سمجھے جانے لگے اور ہم چشموں میں عزت و قدر سے دیکھے جاتے تھے" [5]

غالب جیسے بت شکن اور بت گر نے بھی ان کی شاعری کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ ایک قطعہ میں اپنے معاصرین سے متعلق جو اچھی رائے دی ہے۔ ان میں صہبائی بھی ایک ہیں ؎

ہند را خوش نفسا نند سخنور کہ بود :: باد در خلوت شنان مشک فشانی از دم شان
مومن و نیر و صہبائی و علوی انگاہ :: حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شان [6]

اسی طرح کی تعریف غالب کے مکتوبات میں بھی ملتی ہے۔ وہ اپنے ایک مکتوب میں مصطفی خان شیفتہ کو ایک مشاعرہ کی روداد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"صہبائی نے طرحی زمین میں غزل پڑھی۔ دو تین شعر دلنشیں تھے" [7]

کسی غزل کے دو تین اشعار ہی جاندار اور پُر لطف ہوتے ہیں اور غالبؔ کا صہبائیؔ کے دو تین اشعار کا دل نشیں کہنا، اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاعری پر صہبائی کو عالمانہ اور ماہرانہ قدرت تھی۔ لیکن ان کو شعر و شاعری سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا بلکہ ضرورت کے تحت ہی اس صنف کا سہارا لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار تعداد میں کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ کلیات میں جو دیوان شامل ہے صرف ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں ردیف وار ۱۶ غزلیں، ۶ قصائد ۳ فردیات، ۲ رباعیات اور ایک مخمس شوکت بخاری کی غزل پر شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سارے اشعار ان کی دوسری تصنیفات اور ان کے معاصروں اور شاگردوں کی تالیفات میں بکھرے پڑے ہیں۔ مثلاً محمد حسین خاں تحسینؔ کے مرتب کردہ کتاب خمسہ ھای غزل قدسی جو ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ اس میں بھی صہبائی کا کہا ہوا خمسہ شامل ہے۔

ہر زبان کا ادب زمانے اور ماحول پر وردہ ہوتا ہے اور ہر ملکے و ہر رسمے کے پیش نظر ہر علاقہ کے کچھ خاص حالات، خاص خیالات اور مخصوص نظریات ہوتے ہیں۔ چنانچہ "مغلوں کی سرپرستی میں جو سرمایۂ نثر و نظم وجود میں آیا۔ اس کا اسلوب و انداز ایرانی اسلوب و انداز سے قدرے مختلف تھا اور یہ نہ کوئی تعجب کی بات ہے نہ شرم کی۔ کیونکہ ہر ملکے و ہر رسمے کے پیش نظر یہاں کے حالات، خیالات اور نظریات کچھ اور تھے۔ اس کے علاوہ صدیوں کی خدمت زبان کے استحقاق کی بنا پر اگر ہندی ادیبوں نے اپنے لئے ایک الگ راہ نکالی تو کیا غضب ہوا" ؎

اسی "الگ راہ" کو "سبک ہندی" کا نام دیا گیا۔ اور اس کو بلندی تک پہنچانے

والے ظہوری اور بیدل ہیں اور" جس شیوہ کی ان حضرات نے تکمیل کی، اس کا بانی فغانی ہے اور اس شیوہ کی خصوصیت میں خیالہائے نازک اور معانی بلند جس سے قالب شعر میں جان پڑتی ہے"[۹]

صہبائی کے دور میں عام طور پر بیدل کا طرز اختیار کرنا شاعری کی معراج تصور کی جاتی تھی اور ان کی روش فکر و فن کو اپنانا باعث افتخار و عظمت تھا۔ غالب جیسے بت شکن اپنے آپ کو اس اثر سے نہ بچا سکے اور کہنے پر مجبور ہوگئے ؎

اسد ہر جا سخن نے طرح باغ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگ بہار ایجادی بیدل پسند آیا

اور ایک دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

آہنگ اسد میں نہیں جز نغمۂ بیدل
عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

اور جب ان سے طرز بیدل نہ نبھ سکا تو یہ کہنے پر مجبور ہوئے ؎

طرز بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے

انھوں نے اگرچہ بیدل اور ان کے متبعین کی زبان اور ان کے انداز بیان میں شعر کہنا بالکل ترک کر دیا تھا۔۔ مگر خیالات میں بیدلیت مدت تک باقی رہی"[۱۰] اس کے برعکس صہبائی نے طرز بیدل ہی کو اختیار کیا اور اپنی تمام علمی و ادبی صلاحیتیں ان کی پیروی میں صرف کیں اور یہ کوئی حیرت و استعجاب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس وقت بیدل کی طرز اور ان کے تفکر کا نفوذ پورے ماحول پر چھایا ہوا تھا۔

اس تمہید سے یہ بتانا مقصود ہے کہ صہبائی کی شعری شخصیت کی تعمیر اور تشکیل میں طرز بیدل کا عمل دخل رچا بسا ہوا ہے۔ گرچہ ان کے اشعار میں طرز بیدل کے اثرات واضح اور صریح طور پر پائے جاتے ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ صہبائی کی انفرادیت بھی برقرار نظر آتی ہے۔

کلیات صہبائی کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ صہبائی نے غزل، قصیدہ رباعی، فرد، مثنوی، مخمس اور قطعہ جیسے اصناف پر طبع آزمائی ہے۔ لیکن انکے بیشتر اشعار غزل کے ہیں اور انہوں نے اس صنف کو پورے اہتمام کے ساتھ اپنایا ہے۔ ان کی غزلوں میں سلاست و روانی، مضمون کی عمدگی، زبان کی خوبی اور بندش کی چستی، سوز و گداز و نشتریت، شوخی و ظرافت، حکمت و معرفت عقل و عشق کی کشمکش، مسئلہ جبر و اختیار، تجاہل عارفانہ، معاملہ بندی، تمثیل و محاورہ واردات محبت، دشنام محبوب کی شیرینی، واعظ کی نصیحت کی تلخی، محبوب کی ستم شعاری کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ چند مثالوں سے یہ واضح ہو جائے گا:

یارب آں کن بجنون دل دیوانۂ ما کہ شود بال پری نالۂ مستانہ ما[11]
جلوہ بر خود غلط نظر باز غیور شمع داغ ست ز خود داری پروانہ ما[12]
شکوۂ تلخی، دشنام تو می کرد ،بس دل ندانستہ مگر قدر شکر خائی تو[13]
تم کہ چوں از من بمرگ راضی نیست بزندگانی دشمن چگونہ خرسند ست[14]

چونکہ صہبائی کا علم بہت گہرا اور عمیق تھا اور تاریخ و ادب پر گہری نظر تھی اس لئے ان کے اشعار میں تلمیحات و اشارات بھی کافی استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے ان کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔

صہبائی نے اساتذہ کی زمین میں بھی اشعار کہے ہیں۔ اگرچہ مجموعی اعتبار سے

انکی شاعری کیف واثر سے خالی ہے ۔ لیکن بعض مقام پران کی انفرادیت بھی برقرار نظر آتی ہے ۔ وہ اساتذہ سے کوئی مضمون اخذ کرتے ہیں تو انداز بیان کے ساتھ مضمون کو بھی ترقی دیتے ہیں اور جہاں بھی ان کا یہ انداز باقی رہا ہے وہ شعر کافی بلند ہو گیا ہے ۔ البتہ صنعتوں کے بھرپور التزام سے ان کے کلام میں سادگی کی بجائے پرکاری زیادہ ہے جس سے اثر خاصا کم ہو گیا ہے ۔ بقول ضیاء احمد بدایونی ۔

" غزل میں عموماً تصنع ، آورد ، دور از کار خیالات ملتے ہیں ، جن کو پڑھ کر جذبات میں انتعاش یا فکر میں جلا نہیں ہوتی ۔ صرف ویسی خوشی ہوتی ہے جیسے کسی ریاضی کے سوال کے حل کرنے کے بعد ۔ ان کی عشقیہ شاعری اثر سے خالی ہے "۔

ضیاء احمد بدایونی کا خیال بہت حد تک درست معلوم ہوتا ہے ۔ البتہ جہاں بھی انہوں نے فن کا پورا پورا التزام کیا ہے اور جدت ادا سے اپنی بات کو سجایا ہے اور اپنی انفرادیت برقرار رکھا ہے ان کی شاعری کا لہجہ بلند و برتر ہو گیا ہے ۔

صہبائی نے اپنے مختلف کرم فرماؤں کی شان میں قصیدے بھی کہے ہیں چنانچہ دیوان میں ۶ ، قصائد بھی ملتے ہیں ۔ جو سرسید ، آزردہ ، بہادر شاہ ظفر اور مسٹر طامسن کی مدح میں ہیں ۔ اس کے علاوہ ایک اور قصیدہ مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد شاہ دہلی کی شان میں ہے ، جو کلیات کے صفحہ ۶۲۸ پر ملتا ہے ۔

ان قصائد سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں کافی مبالغہ اور تصنع ہے ۔ شوکت الفاظ کے ساتھ معنی آفرینی بھی ہے ۔ ان سات قصیدوں میں وہ قصیدے زور دار ہیں ، جو سرسید اور آزردہ کی تعریف میں ہیں ۔ بقیہ قصائد میں صرف رسم کی تکمیل کی گئی ہے ۔

صہبائی کو سرسید سے گہری عقیدت تھی اور قلبی لگاؤ تھا۔ چنانچہ انہوں نے سرسید کو نہایت عقیدت اور بے پناہ محبت سے یاد کیا ہے۔ انہوں نے جہاں بھی اس طرح کا خیال ادا کیا ہے۔ اس میں شعریت کا عنصر غالب ہے اور اظہار عشق میں تخیل کی لطافت اور معنی آفرینی کی نزاکت پائی جاتی ہے خاص طور سے یہ شعر ؎

دریں وحشت اگر جان می دہم خاکم بجان آرد
برنگ گردباد از ہرزہ گردی ہا بیابان را

اس شعر میں بیدل کا رنگ واضح طور پر جھلکتا ہے۔

دیوان میں ۱۲ رباعیات ہیں، جن میں بادشاہ کی تعریف، زمانے کی شکایت بسنت، ہولی، راکھی کا ذکر اور عید کی خوشی وشراب نوشی کی تلقین کے مضامین ہیں۔ ان رباعیات میں کوئی خاص وصف نہیں ہے۔ سب بھرتی کے اشعار ہیں۔

اس کے علاوہ دیوان میں ایک مخمس بھی ملتا ہے جس میں کل ۶ بند ہیں اور یہ شوکت بخاری کی غزل پر ہے ایک اور خمسہ کلیات صہبائی جلد ۲ حصہ دوم میں درج ہے۔ اس میں کل نو بند ہیں۔ صہبائی کا یہ خمسہ محمد جان قدسی کی نعت کی تضمین ہے

دیوان میں کوئی مثنوی شامل نہیں ہے اور نہ کوئی الگ سے دستیاب ہے البتہ تقریظوں اور رسالوں کے آغاز اور اختتام میں ان کی مثنویاں پائی جاتی ہیں۔ "ریزۂ جواہر" میں جو مثنوی شامل ہے۔ وہ متن کا جزو ہے۔ اس میں مثنوی کے ۱۵۲ اشعار ہیں۔ ایک اور مثنوی "رسالہ گنجینہ رموز" میں درج ہے، جس میں ۳۸ راشعار ہیں۔ ان مثنویوں میں مختلف مضامین کو ادا کیا گیا ہے۔ وہ مضامین ہیں: حمد، نعت، مناجات، مدح، ساقی نامہ، تعلی اور سبب تالیف وغیرہ

صہبائی کی ان مثنویوں میں انداز بیان کی برجستگی تسلسل کے ساتھ برقرار ہے بندشیں چست، تراکیب مانوس اور معنی خیز ہیں۔ رعایت لفظی و معنوی کے مناسب استعمال سے کلام کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔

اس کے علاوہ "مثنوی، دمع الباکی" کے نام سے تذکرہ میں ایک مثنوی کا سراغ ملتا ہے۔ لیکن اب وہ ناپید ہے۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی سے قبل یہ افواہ اڑی تھی کہ بہادر شاہ ظفر شیعہ ہو گئے ہیں۔ اس کی تصدیق و تردید میں بہت ساری مثنویاں لکھی گئیں انہیں میں صہبائی کی مثنوی ہے، جو میر دوست علی خلیل کے جواب میں ہے۔ "حکایت فاضل" میں مفتی سید محمد عباس شوستری نے صہبائی کا جواب ہے۔ چنانچہ اس میں صہبائی کے اشعار ملتے ہیں۔

صہبائی کی فارسی شاعری نہ تو بالکل پست ہے اور نہ بلند البتہ دونوں طرح کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ جہاں بھی انہوں نے فن کا پورا پورا التزام کیا ہے، جدت ادا اور ندرت اسلوب کو اپنایا ہے اور سلاست و روانی کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ وہاں ان کی شاعری کا لہجہ بلند ہو گیا ہے اور جہاں کمی واقع ہو گئی ہے، وہاں پست ہو گیا ہے۔

حواشی

لے نورالحسن انصاری: فارسی ادب بعہد اورنگ زیب ص ۲۳

۲ے امام بخش صہبائی: دیوان صہبائی ص ۴۷

۳ے " : " ص ۴۶

۴ے " : " ص ۴۶

۵ مفتی انتظام اللہ شہابی : غدر کے چند علماء ص ۲۰۶

۶ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم : شرح غزلیات غالب

۷ غلام رسول مہر : غالب ص ۲۹۸

۸ ضیاء احمد بدایونی : مسالک و منازل ص ۳۳۳

۹ غالب : عود ہندی ص ۱۲۵

۱۰ خواجہ الطاف حسین حالی : یادگار غالب ص ۲۳۴

۱۱ امام بخش صہبائی : دیوان صہبائی ص ۲

۱۲ " : " ص ۲

۱۳ " : " ص ۴۰

۱۴ " : " ص ۱۷

۱۵ ضیاء احمد بدایونی : مسالک و منازل ص ۲۵۹

READ & SUBSCRIBE ! READ & SUBSCRIBE !

BURHAN
M O N T H L Y

Annual Subscription : Rs. 72

Single Copy : Rs.6

For more Information :
Please Write to The Manager
BURHAN MONTHLY, 4136, URDU BAZAR, JAMA MASJID, DELHI-6

Burhan Monthly July - August 1997